

بحث و نظر

بَيْعَتِ عَقِبَةِ ثَانِيَةِ اور حضرت عباس رضی

جناب طالب ہاشمی صاحب

ترجمان القرآن کے شمارہ اگست ۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب کا ایک مقالہ عنوانی بالا پر شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے بیعت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بیعتِ عقیبہ ثانیہ (جو فی الحقیقت بیعتِ عقیبہ ثالثہ ہے اور جسے بیعتِ عقیبہ کبیرہ اور لیلیۃ العقبہ بھی کہا جاتا ہے) کے موقع پر حضرت عباس رضی کی موجودگی والی مشہور روایت موضوع ہے۔ فاضل مقالہ نگار اسلامیت یونیورسٹی بہاولپور میں شعبہ علوم اسلامیہ کے استاد ہیں، لیکن اس مقالے میں انہوں نے تحقیق کا جو انداز پیش کیا ہے وہ تو بالکل بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ بالفاظِ دیگر یہ مقالہ ان کے منصب کے تقاضوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ انہوں نے اپنے استدلال کی بنیاد قیاس آرائی کے پائے چوبیس پر رکھی ہے۔ حالانکہ کسی روایت کو رد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور جن واسطوں سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے، ان میں سے کسی واسطے کو ناقابلِ اعتماد ثابت کیا جائے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر صاحب نے محض قیاسات اور مفروضات کا سہارا لیا ہے۔ اگر وہ روایات کا چھان بھٹک کا معروف طریقہ اختیار کرتے جو اہل علم میں مقبول و متداول ہے تو ان کی باتوں میں یقیناً وزن محسوس کیا جاتا۔ اب اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ جس سطح پر ڈاکٹر صاحب نے داؤد تحقیق دی ہے، اسی سطح پر اس کا جواب دیا جائے۔

جہاں تک اس بیعت کے موقع پر حضرت عباس رضی کی موجودگی کا تعلق ہے تو قدیم اور جدید

تمام سیرت نگاروں نے اس کو تسلیم کیا ہے اور قریب قریب تمام ارباب سیر و تاریخ نے یہ واقعہ تو اتر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی، طبری، ابن سعد، احمد بن حنبل، بیہقی، شعبی، طبرانی، حاکم، بزار، ابن قیم، ابن خلدون، ابن کثیر وغیرہم سب اس پر متفق ہیں۔ ان سب کو جھٹلانے کے لیے قوی دلائل کی ضرورت ہے جو ڈاکٹر صاحب کے مقالے میں مفقود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے موقف کی تائید میں کم از کم ایک ہی روایت پیش کر دیتے تو پھر بھی کوئی بات تھی۔

اب رہی حضرت عباسؓ کی تقریر۔ تو ڈاکٹر صاحب نے اس کی آڑ لے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عباسؓ سرے سے وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ انہوں نے حضرت عباسؓ کے ان الفاظ کو خلاف حقیقت ٹھہرایا ہے کہ ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں اور ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے ہیں۔“ اور ان الفاظ کو خلاف مصلحت کہ ”اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔“

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے اس موقف کے دونوں حصوں کا الگ الگ جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے بڑی دلیل ڈاکٹر صاحب نے اپنے موقف کے پہلے حصے کے حق میں یہ دی ہے کہ حضورؐ کو مجبور ہو کر طائف جانا پڑا تھا۔ کیونکہ قریش نے آپؐ کو مکہ سے نکال دیا تھا۔ اسی لیے حضرت زید بن حارثہ نے واپس کے سفر میں آپؐ سے کہا تھا کہ ”آپؐ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے؟“ جب کہ قریش آپؐ کو نکال چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپؐ مطعم بن عدی کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ باتیں اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ ”حضورؐ اپنے خاندان میں معزز و محترم نہیں تھے اور بنو ہاشم ہمیشہ آپؐ کے سینہ سپر نہیں رہے تھے۔“ یا یہ کہ ان کی حمایت سے دست کش ہو چکے تھے۔

مناسب ہونا کہ اس سلسلے میں فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل حقائق کو بھی پیش نظر رکھتے:

۱۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق سرے سے اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ سفر طائف میں آپؐ کے ساتھ تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپؐ تنہا طائف تشریف لے گئے تھے۔

۲۔ ابن سعدؒ، ابن قتیبہؒ اور بلاذریؒ کے بیان کے مطابق حضورؐ حضرت زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے تھے۔ (گویا حضرت زیدؓ کے حضورؐ کے ساتھ جانے میں اختلاف ہے)۔

۳۔ حدیث، تاریخ اور سیرت کا تمام ذخیرو کھنڈکال ڈالیں آپؐ کو ایک روایت بھی ایسی نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مشرکین قریش نے حضورؐ کو بجز مکہ سے نکال دیا تھا یا آپؐ ہجرت کے ارادے سے طائف تشریف لے گئے تھے۔ یہاں ان بہت سی روایتوں کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اہل حق کا مکہ سے نکلنا (ہجرت کرنا) مشرکین کی مصلحتوں کے خلاف تھا۔ کیوں؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے وقت مشرکین نے جس طرح مسلمانوں کی مزاحمت کی اس کو اہل سیر نے تو اتر کے ساتھ بیان کیا ہے گویا مشرکین مسلمانوں کو مکہ سے نکلنے سے روکتے تھے نہ کہ ان کو زبردستی نکالتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کے لیے جو تدبیریں کیں وہ تاریخ کا ایک ناقابل تردید حصہ ہیں۔

۴۔ واپسی کے سفر میں حضرت زیدؓ حارثہ سے جو بات منسوب کی گئی ہے وہ صرف واقدی کا بیان ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضورؐ اور حضرت زیدؓ کے سوا کوئی تیسرا شخص اس موقع پر موجود نہیں تھا تو پھر قطعی طور پر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے یہ بات حضورؐ سے کہی جب کہ کوئی مستند حدیث بھی اس کی تائید میں موجود نہیں۔ کیا یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ راوی نے کسی غلط فہمی یا اپنے قیاس کی بنا پر یہ الفاظ حضرت زیدؓ سے منسوب کر دیئے۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعی حضرت زیدؓ نے یہ بات حضورؐ کی خدمت میں عرض کی تو کیا اصطلاحی طور پر اس کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ ”قریش مکہ آپؐ کی دعوت کو رد کر چکے ہیں، وہ آپؐ کی دشمنی میں بہت جبری ہو گئے ہیں اور اب جب کہ اہل طائف نے بھی آپؐ کی دعوت قبول نہیں کی تو مکہ میں آپؐ کی دعوت حق کو کیسے جاری رکھ سکیں گے۔“

۵۔ یہ بات (جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے) کسی روایت میں نہیں ہے کہ: ”آپؐ نے معززین طائف سے کہا تھا کہ اہل مکہ کو میرے اس مشن کے

بارے میں نہ بتانا.....“

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضور نے صرف عمرو بن عمیر ثقفی کے بیٹوں مسعود، حبیب اور عبد یلیل سے اتنی بات کہی تھی کہ ”میرا باپ کو مخفی رکھو“ (یعنی جو باتیں میرے اور تمہارے درمیان ہوئی ہیں ان کو پردہ اخفا میں رکھو) یہ بات آپ نے اس لیے فرمائی کہ آپ طائف پہنچ کر سب سے پہلے ان تینوں سے ملے اور ابھی آپ کو طائف کے دوسرے صاحب اثر لوگوں سے ملنا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ یہ تینوں ”تخلیبہ کی اس گفتگو“ کو اپنے تک ہی رکھیں تاکہ دوسرے لوگوں تک بھی آپ اپنا پیغام پہنچا سکیں (اور ان تینوں کے منہ بند رہنے کا دوسروں پر اثر نہ پڑے)۔ ان لوگوں سے اتنی سی شرافت برتنے کی توقع آپ کو شاید اس لیے بھی تھی کہ حضور کی والدہ کے خاندان ”بنو زہرہ“ سے بنو ثقیف کے خاندان ”بنو عبد یلیل“ کے ساتھ رشتہ داری تھی اور بنو عبد یلیل کو حضور کے ماموروں کا خاندان کہا جاتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں نے عرب کی روایتی مہمان تواری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آپ سے غیر شریفانہ برتاؤ کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ چاہتے ہوں کہ اہل مکہ کو اہل طائف کے رد عمل کا فوری طور پر پتہ نہ چلے۔ لیکن یہ قیاس کرنا صحیح نہیں کہ آپ کے نزدیک آپ کا دورہ طائف زیادہ عرصے کے لیے اہل مکہ سے مخفی رہ سکتا تھا۔ قریش اور بنو ثقیف کی آپس میں رشتہ داریاں تھیں۔ خود آپ کی ایک بھتیجی (الہ لہب کی بیٹی) طائف میں بیاہی گئی تھی۔ رؤسائے قریش کی طائف میں قیمتی جاگزیروں تھیں۔ قریش کے رؤس عتبہ اور شیبہ حضور کے دورہ طائف کے موقع پر طائف میں موجود تھے۔ عروہ بن مسعود ثقفی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی اور کئی دوسرے ثقفی حضرات کا آئے دن مکہ میں آنا جانا رہتا تھا۔ طائف مکہ کا تو اہم شہر تھا اور آپ کا وہاں تشریف لے جانا آپ کی حکمت تبلیغ کا ایک حصہ تھا۔ یہ نہیں کہ آپ وہاں ہجرت کے ارادے سے گئے ہوں یا آپ کو اہل مکہ نے بزور مکہ سے نکال دیا تھا۔

اب رہ پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہونا تو اس کا مطلب (بنو ہاشم اور بنو مطلب کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے کی) حمایت حاصل کرنا تھا۔ ورنہ حقیقی معنوں میں حضور ہمیشہ اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ مطعم بن عدی کی حمایت حاصل کرنے کا مطلب یہ کیسے لیا جاسکتا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب آپ کی حمایت سے دست کش ہو چکے تھے اور مکہ میں کوئی آپ کا یار و مددگار نہیں تھا۔

”دست کشی“ اور ”دوسروں کے مقابلے میں مادی کمزوری“ میں بڑا فرق ہے۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مسلمان آپ کی حمایت سے دست کش ہو سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مومنین بلکہ دوسرے خاندانوں (بنو تیم، بنو عدی، بنو امیہ، بنو زہرہ، بنو عبدالدار، بنو سہم، بنو جیح، بنو اسد، بنو مخزوم، بنو عامر بن کوئی، بنو فہر بن مالک وغیرہ) کے مومنین بھی آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار تھے (اور اپنے ان جان نثاروں کو کفار کے رحم و کرم پر چھوڑ کر آپ نے مکہ سے ہجرت کر جانے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا)۔ یہ الگ بات ہے کہ عدوی اور مادی قوت کے لحاظ سے مشرکین مکہ کا پتہ بھاری مختا۔ کیا مطعم بن عدی کی حمایت حاصل کرنے سے حضور کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا تھا کہ مشرکین کے اتحاد میں رخنہ ڈالا جائے اور ان کے دندانِ ظلم کو گند کیا جائے۔ اور یہ حمایت بھی حضور کس لیے حاصل کرنا چاہتے تھے، اس لیے کہ ”میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں“ (ابن اسحاق)۔ کیا حضور نے یہ حمایت حاصل کرنے کی خاطر مطعم کی کوئی شرط مافی تھی؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی شرط پر حمایت حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب ابوطالب دس برس تک حضور کا دفاع کرتے رہے لیکن اس کے ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد بنو ہاشم حضور کی حمایت سے یکسر دست کش ہو گئے، سوائے ان چند دنوں کے جن میں ابو لہب نے آپ کی حمایت کی۔ کیا مناب نہ ہوگا کہ یہاں ابن سعد اور بعض دوسرے اہل سیر کی ان روایتوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جناب ابوطالب نے مرتے وقت سردارانِ قریش کو وصیت کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا اور اپنی اولاد کو بطور خاص وصیت کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا۔ کیا جناب ابوطالب کی اولاد ایسی ہی گئی گذری تھی کہ اس نے اپنے باپ کی وصیت کو فراموش کر دیا اور حضور کی حمایت سے دست کش ہو گئی۔ بالخصوص نوجوان علیؑ کے بارے میں ایسا گمان کہ ناظمانہ جسارت ہے۔ اسی طرح حضرت حمزہؑ بن عبدالمطلب اور حضرت عباس بن عبدالمطلب کے بارے میں بھی اس قسم کی بات نہیں کہی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب ابوطالب کی زندگی میں بھی مشرکین نے حضور کو ستانے میں کوئی کسر اٹھانا رکھی۔ یہاں تک کہ

آپ کو شہید کرنے کا ارادہ بھی کیا۔ لیکن جناب ابوطالب نے جو انان بنو ہاشم و بنو مطلب کی مدد سے آپ کی حفاظت کی۔ آخر شعب ابی طالب کی محصوری کا زہرہ گداز واقعہ بھی تو جناب ابی طالب کی زندگی ہی میں پیش آیا۔ ہمارے اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جنس مانے میں ابوطالب زندہ تھے اور بنو ہاشم حضور کی پوری طرح حمایت کر رہے تھے۔ (بقول ڈاکٹر صاحب آپ کی حمایت سے "دست کش" نہیں ہوئے تھے۔ اُس وقت بھی وہ مشرکین قریش کو آپ پر زیادتیاں کرنے سے کلیتہً نہیں روک سکے تھے۔ جناب ابوطالب کی وفات کے بعد اگر ابوطالب حضور کی حمایت جاری بھی رکھتا تو کیا مشرکین اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے اور حالات میں کوئی تبدیلی آجاتی؟ ہرگز نہیں! ہمارے نزدیک تو ابولہب کی حمایت والی رواہ اس لحاظ سے مشکوک ہے کہ یہ وہی بد باطن شحمن تھا جس نے حضور کی بچیوں کو اپنے بیٹوں سے طلاق دلوائی، آپ کے صاحبزادے کی وفات پر مسرت کا اظہار کیا۔ جس کی بیوی آپ کے روز پر کانٹے بچھایا کرتی تھی، جس نے دعوتِ حق کو روکنے میں طرح طرح کی دکانیں ڈالیں۔ اور جس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نام لے کر کی۔ وہ حضور کی حمایت پر کیسے آمادہ ہو سکتا تھا۔ اور آپ سے کیسے کہہ سکتا تھا کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ قرآن کریم کی نص صریح کے ہوتے ہوئے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ اس کے نہاں خانہ و دل میں کبھی روشنی کی کرن چھوٹی ہو۔ اور پھر حمایت سے اس کی دست کشی کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضور نے جناب عبدالمطلب کو دوزخ کا پہلی بات تو یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب حضور کے دادا بھی تھے اور محسن بھی۔ جب وہ فوت ہوئے تو حضور کو اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کے سر ہانے کھڑے ہو کر رونے لگے۔ (آپ کا سن اُس وقت آٹھ برس کا تھا) حضور اپنے محسنوں کے بارے میں یہ طرزِ کلام اختیار نہیں فرماتے تھے، بلکہ ان کا ذکر بھلائی سے کیا کرتے تھے۔ مطعم بن عدی ہی کو لے لیجیے۔ اس کی حمایت کا احسان حضور نے ہمیشہ یاد رکھا (حالانکہ وہ حالتِ کفر میں مرا تھا)۔ غر۔ وہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے متعلق بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں چھوڑ دیتا۔ (صحیح بخاری مسند احمد، مسند ابوداؤد)۔

اس قسم کی کئی اور مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اور پھر جناب عبدالمطلب کے متعلق ایسی روایتیں بھی موجود ہیں کہ وہ موجد تھے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت ابرہہ کے حملے کے وقت اُن کا طرز عمل تھا۔ علامہ سیوطی نے ”مسالک الخفاء“ میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ کے اجداد میں نصر، خزیمہ، الیاس، مضر، ربیعہ، معد اور عدنان سب موجد تھے اور دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔ علامہ محمود شکر می بغدادی نے کتاب ”بلوغ الادب فی احوال العرب“ (جلد دوم) میں کعب، قصی، عبدمناف، ہاشم اور جناب عبدالمطلب کو بھی زمرہ موجدین میں داخل کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سب دین ابراہیم پر کاربند تھے (یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مسلمانوں کے دو بڑے مکاتب فکر حضورؐ کے اجداد کو موجد مانتے ہیں۔ اور اپنے موقف کے حق میں دلائل بھی رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک الگ بحث ہے)۔ کیا اس سلسلے کی تمام روایتوں کو سامنے رکھ کر اس بات کی گنجائش نہیں کہ جناب عبدالمطلب کو خفاء میں شمار کیا جائے؟ اور خفاء کے بارے میں حضورؐ کا مسلک یہ تھا کہ جب آپؐ سے مشہور حنفی زید بن عمرو بن نفیل کے بارے میں اُن کے صاحبزادے حضرت سعید بن زید نے پوچھا کہ میرے والد اسلام سے پہلے فوت ہوئے کیا ہم اُن کے لیے دعائے مغفرت کر سکتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا ”ہاں۔ زید تنہا ایک امت کی حیثیت سے اُٹھائے جائیں گے۔“

کیا خوب ہونا اگر ڈاکٹر صاحب اس روایت کی چھان بھٹک کرتے۔ اور اس کی سند کی حیثیت کا جائزہ لیتے۔ اس کے بجائے انہوں نے اسے اپنی تائید میں پیش کر دیا۔ اگر اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ابو لہب اور اس کے زیر اثر چند غیر مسلم ہاشمی حضورؐ کی حمایت سے دست کش ہو گئے۔ یہ نہیں کہ باقی سارے بنو ہاشم بالخصوص ہاشمی مسلمانوں نے بھی حضورؐ کی حمایت ترک کر دی۔ یہ کہنا بالکل خلاف حقیقت اور محض ایک مفروضہ ہے کہ ابو لہب کی آپؐ کی حمایت سے دست کشی آپؐ کے سفرِ طائف کا باعث ہوئی۔ حضورؐ نہ سفرِ طائف سے پہلے کبھی اس کی مخالفت کو خاطر میں لاتے تھے اور نہ بعد میں کبھی اس کی پروا کی۔ یہی سبب تھا کہ وہ آپؐ کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ ہجرت سے پہلے حضورؐ کو شہید کرنے کے لیے جو لوگ نامزد کیے گئے تھے، ان میں ایک ابو لہب

بھی تھا۔ یہ بھی محض ایک مفروضہ ہے کہ تمام بنو ہاشم نے اس کو اپنا سربراہ اور سردار تسلیم کر لیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ”واقعہ طائف کے بعد سفر ہجرت تک ہمیں کوئی شہادت ایسی نہیں ملتی کہ مطعم بن عدی نے اپنی دی ہوئی امان کو واپس لے لیا ہو اور آنحضرتؐ کو دوبارہ کسی ہاشمی یا کسی اور مکی سردار کے پاس پناہ کی تلاش میں جانا پڑا ہو۔“

ہم ڈاکٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی شہادت بھی ملتی ہے جس سے ثابت ہونا ہو کہ سفر طائف کے بعد مکہ کے اشرار نے حضورؐ کو ستانا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برعکس ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ مکی دور کے آخری تین سالوں میں جب حضورؐ مختلف قبائل کے پاس دعوتِ توحید دینے تشریف لے جاتے تو ابو جہل، ابولہب اور دوسرے اشرار آپ کے پیچھے لگے رہتے۔ قبائل کو آپ کے خلاف بھڑکاتے اور آپ پر خاک اور پتھر پھینکتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی مجلس میں جب کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے بزور نکالی دیا جائے، تو اس تجویز کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ شخص یہاں سے لکل گیا تو عرب کے مختلف قبیلوں کو اپنی جادو سیانی سے اپنا حامی بنالے گا۔ ان شہادتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مطعم بن عدی کی پناہ اور حمایت عملاً ختم ہو چکی تھی۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی نظر ان تمام شہادتوں پر کیوں نہ پڑی۔ اگر حضرت عباسؓ نے یہ کہا کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں اور ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے“ تو غلط نہیں کہا، خود جناب ابوطالب نے آپ کے معزز و محترم ہونے کا اعتراف اپنی وصیت میں کیا تھا۔ اور بقول ابن سعد اپنی اولاد سے کہا تھا کہ تم ہمیشہ بخیر رہو گے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنتے رہو گے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے رہو گے اور بقول قسطلانی اور زرقانی سردار ابن قریش سے کہا تھا۔

”..... محمد صلی اللہ علیہ وسلم، قریش میں امین اور تمام عرب میں صادق ترین آدمی ہے اور وہ ان تمام خوبیوں کا جامع ہے جو میں نے تم سے بیان کی ہیں۔“

ابوطالب کی وفات کے بعد کیا حضورؐ کے کردار میں لغو ذلت کوئی تبدیلی آگئی تھی کہ آپ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے نزدیک معزز و محترم نہیں رہے تھے اور وہ آپ کی حمایت سے

دست کش ہو گئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرکین قریش آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ ان کا بس چلتا تو وہ آپ کو شہید کرنے میں کبھی نہ سچوکتے۔ یہ بنو ہاشم، بنو مطلب اور آپ کے دوسرے جان نثاروں کی حمایت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہوئے اور آپ کی جان سلامت رہی۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے موقف کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کا اپنی تقریر میں یہ کہنا کہ "اب وہ (حضورؐ) تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں" خلافِ مصلحت تھا۔ ہماری سمجھ میں بات نہیں آتی کہ حضرت عباسؓ کا یہ کہنا خلافِ مصلحت کیسے ہو گیا۔ جب کہ تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ مکی دور کے آخری تین سالوں میں جب حضورؐ مختلف قبائل کے پاس تبلیغِ حق کے لیے تشریف لے جاتے تو کھلے الفاظ میں ان سے فرماتے:

"قریش نے مجھے اللہ کا پیغام پہنچانے سے روک دیا ہے تم تبلیغِ حق کے

کام میں میری مدد کرو۔ مجھے اپنے ہاں پناہ دو (مجھے اپنے علاقے میں لے چلو) اور میری حمایت کرو تاکہ میں اپنے رب کے پیغام کی اشاعت کروں۔"

یہی بات آپ اوس و خزرج (اہل مدینہ) کے سامنے بھی ارشاد فرما چکے تھے۔ کیا حضرت عباسؓ کوئی سو سے بازی (بقول ڈاکٹر صاحب معاملات کا لین دین) کر رہے تھے جو نبوی مصلحتوں سے ہٹ کر کوئی بات نہ کرتے؟ فی الحقیقت حضرت عباسؓ کی یہ تقریر سراسر حضورؐ کی غیر خواہی پر مبنی تھی۔ وہ اپنے طور پر انصار سے یہ یقین دلانی چاہتے تھے کہ وہ کسی وقت مدینہ میں مشکلات سے گھبرا کر حضورؐ کو تنہا نہیں چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ آپ کی حمایت کا مطلب یہ تھا کہ سارا عرب ان (اہل مدینہ) کا مخالف ہو جائے اور ان کو بے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑے، اس وقت حضورؐ کو تنہا چھوڑ دینے سے بہتر تھا کہ وہ آپ کو مکہ ہی میں رہنے دیں۔ یہاں بہر حال آپ کے ایسے جان نثار موجود ہیں جو آپ کی خاطر سب کچھ قربان کر دیتے۔

صورتِ واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں گذشتہ اڑھائی سال سے اسلام بعیرت انگریز تیزی سے پھیلنا تھا۔ اور چند گھروں کے سوا سب اوس و خزرج مسلمان ہو چکے تھے۔ اب مدینہ کو مرکزِ اسلام

بنانے کے لیے میدان ہموار ہو چکا تھا۔ مکہ آنے سے پہلے انصارِ مدنیہ یہ طے کر کے چلے گئے تھے کہ حضور کو مدنیہ آنے کی دعوت دیں۔ (مسند احمد، طبری، طبرانی وغیرہ)۔ انصار کو مکہ میں آنحضرتؐ اور آپ کے جان نثاروں کی مشکلات کا بخوبی علم تھا۔ اور کوئی بات ان سے مخفی نہ تھی (مسند احمد، طبرانی اور کئی دوسری کتابوں میں یہ تفصیل موجود ہے)۔ حضرت عباسؓ اپنی کسی بات سے انصار کو مناظرے میں نہیں ڈال سکتے تھے اور نہ ان کا یہ مقصد تھا۔ اس لیے یہ کہنا کہ انہوں نے انصار کے مقابلے میں حضور کی پوزیشن کو کمزور کر دیا انتہائی مضحکہ خیز اور طفلانہ بات ہے۔ علیؓ ابن خلدو نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انصار نے حضور کو مدنیہ تشریف لانے کی دعوت دینے سے پہلے منکرینِ مکہ کے پاس ایک وفد بھیجا تھا، جس کے ہاتھ بنو مرہ بن مالک کے مشہور شاعر ابو قیس بن الصلت سے ایک طویل قصیدہ لکھوا کر روانہ کیا تھا اور ساتھ ہی ایک خط بھی بھیجا تھا۔ اس خط اور قصیدے میں قریش سے کہا گیا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و احترام ملحوظ رکھیں اور آپ کو ستانا چھوڑ دیں۔ (اس قصیدے کے ۳۵ اشعار تھے اور ابن اسحاق نے اس کو کتاب السیر میں حرف بحرف نقل کیا ہے) لیکن قریش نے اس وفد کی بات نہ مانی۔ مختصر یہ کہ اہل مدنیہ مکہ کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی سبب تھا کہ انہوں نے اپنی تمام کارروائی کو خفیہ رکھا۔ مکہ آ کر ان کے چند آدمیوں نے حضور سے تخلیہ میں ملاقات کی، اس وقت آپ حضرت عباسؓ کے پاس تشریف فرما تھے۔ وہیں طے پایا کہ رات کے وقت عقبہ کی گھاٹی میں رانداری کے ساتھ مسلمانانِ مدینہ سے ملاقات ہوگی۔ (طبری، ابن ہشام، احمد بن حنبل، طبرانی وغیرہ)

یہ سوال کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کو چھوڑ کر حضرت عباسؓ کو ساتھ کیوں لے گئے؟ تو اس کی مصلحت اللہ اولہ اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے تھے۔ ایسی موشگافیاں کہ حضورؐ نے یہ کیوں کیا اور وہ کیوں کیا؟ بہت ہی ناخوشگوار مباحث کو جنم دے سکتی ہیں۔ اللہ کے رسولؐ کے کسی عمل کو اپنی سوچ کے پیمانے سے ماپنا بالکل غلط طریقہ کار ہے۔ یہ کیا دلیل ہوئی کہ حضورؐ فلاں فلاں جان نثار کو ساتھ نہیں لے گئے اس لیے آپ کا حضرت عباسؓ کو ساتھ لے جانا بھی محلی نظر ہے (اور

یہ روایت عباسی حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے سبحان اللہ! ویسے یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور حضرت ابو بکرؓ مدینہ اور حضرت علیؓ کو بھی سامعہ لے گئے تھے اور ان کو عقیدہ کی گھاٹی کے دونوں سروں پر کھڑا کر دیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ لکھنا کہ حضرت عباسؓ نے (یہ کہہ کر) انصار کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پناہ دینے کے عوض ان سے من مانی شرائط منوائیں " ایک ایسی جبارت ہے جس کی کسی صاحب نظر آدمی سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ تو "کجا می بنائی و کجا می زنی" کے مترادف ہے۔

انصار نے حضورؐ کو رسولِ برحق تسلیم کیا، آپؐ پر ایمان لائے، آپؐ کے دست مبارک پر مرنے جینے کی بیعت کی اور بدیں الفاظ آپؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے سامنے آپؐ کی حفاظت اور نصرت کریں گے۔ گویا تمام خطرات کے علی الرغم اور سارے عرب کے رد عمل سے بے نیاز ہو کر حضورؐ کو اپنے آقا و ملا، مخدوم و مطاع اور سردار کی حیثیت سے مدینہ آنے کی دعوت دی نہ کہ پناہ گزین کی حیثیت سے۔ من مانی شرائط منوانے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ کیا انصار مدینہ نعوذ باللہ اتنے دنیا پر اور گھٹیا کردار کے مالک تھے کہ وہ اپنے ہادی اور خدا کے سچے رسولؐ سے من مانی شرائط منواتے۔ ان کی تو صرف ایک تمنا تھی کہ حضورؐ ان سے کبھی جدا نہ ہوں تنگی میں بھی اور فراخی میں بھی۔ کیا حضرت عباسؓ انصار سے یہ کہتے کہ "آنحضرتؐ تمہارے پاس نہیں جانا چاہتے" حالانکہ حضورؐ ان کے پاس جانا چاہتے تھے اور خود ان سے فرط چکے تھے کہ تم اللہ کا پیغام پہنچانے میں میری مدد کرو، حمایت کرو اور اپنے علاقے (شہر) میں مجھے لے چلو۔

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین کے معاملے میں لین دین، سودے بازی اور منافقاتہ سیاست بازی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہر چیز کو مادی نقطہ نگاہ سے دیکھنا مغربی دانشوروں کا شیوہ تو ہو سکتا ہے ایک اسلامی دانش گاہ کے کسی استاد کا شیوہ نہیں ہونا چاہئے۔ دانشورانِ مغرب کو کیا خبر کہ اخلاص، ایثار، عقیدت، محبت، اطاعت اور سوزدروں کی کیا قدر و قیمت ہوتی ہے، لیکن مفکر ہونے کا دعویٰ کرنے والے ایک مسلمان کو تو ان چیزوں سے بے خبر

نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہ شتر گہنگی نہیں ہے کہ آپ نے اپنی سوچ کے مطابق ایک خاص نظریہ قائم کر لیا اور پھر ایک سیرت نگار کی وہ روایت تو اپنی تائید میں پیش کر دی جو آپ کی سوچ کے سانچے میں پوری بیٹھتی ہے، لیکن اسی سیرت نگار کی وہ روایت موضوع قرار دے کر رو کر دی جو آپ کے خود ساختہ نظریے کے مطابق نہیں ہے۔ یہ تحقیق نہیں بلکہ لوگوں کو فکری انتشار میں مبتلا کرنا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اسلام بیرونیورسٹی بہاول پور کے بعض اساتذہ نے اسی مشق کو اپنا لیا ہے۔ اس سے پہلے اسی یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد سلیمان اطہر صاحب نے

“THE DEVELOPMENT OF MILITARY INTELLIGENCE
IN THE CAREER OF THE PROPHET AT MEDINA.”

کے موضوع پر مقالہ لکھ کر اپنی تحقیق اہمیت کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ دشمنانِ اسلام کو تو خوش کر سکتا ہے اور ایک برطانوی یونیورسٹی سے ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی دلا سکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک کوئی ایسا شخص جو اسلام کی اخلاقی اقدار پر پورا ایمان رکھتا ہو، کبھی ایسا مقالہ لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کاش اسلام بیرونیورسٹی کے یراستہ واپس صلا حیتوں کو تعمیری علمی کاموں پر صرف کرتے۔

ترجمان القرآن کے اوراق میں ڈاکٹر محمد سلیمان کے مضمون (بعیت عقبہ ثانیہ اور حضرت عباسؓ) کی اشاعت پر ہمیں اس لیے بہت افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے کئے ہوئے کاموں پر پہلے سے ہی گستاخی جناب رسالتؐ کا الزام تھا جس کا ہمیں علم نہیں تھا۔ شخصیت کو پہلے سے جلتے بغیر ہم نے اسی خیال سے ایک قابلِ بحث امر کو شائع کر دیا کہ اس کا مدلل جواب سامنے آنے سے ڈاکٹر صاحب کا فکری مقام زیادہ اچھی طرح سامنے آجائے گا۔ پچنانچہ ہمارے معزز دوست طالب الہاشمی صاحب نے بہت کم وقت میں اپنی وسعتِ مطالعہ کی بنا پر جوابی مقالہ لکھ دیا۔ اُمید ہے کہ اس مقالے کے ذریعے ہماری سچھلی کوتاہی کی تلافی ہو جائے گی۔

حالات کو جاننے کے بعد ہم بھی ایسے شخص کے بہاولپور اسلام بیرونیورسٹی سے برطرفی کے علاوہ یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ گستاخی جناب رسالتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدلل الزام کے ذریعہ اثر مقدمہ بھی چلا یا جانا چاہیے۔ جیسا کہ ڈاکٹر لالے پوتانے آواز اٹھائی ہے۔ (مدیر)